Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
*Print ISSN: 3006-1296*Online ISSN: *3006-130X*
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.17739591

The Comprehensive Qur'anic Perspective on Women's Rights: A Comparative Study of Surah al-Nisa and Surah al-Nur (In the Light of Tafsir Tibyan al-Qur'an and Tafsir Sirat al-Jinan)

"قرآن کریم کا ہمہ گیر نظریہ حقوق نسواں: سورۃ النساء اور سورۃ النور کا تقابلی مطالعہ"

(تفسیر تبیان القران اور تفسیر صراط الجنان کی روشنی میں)

Dr. Syed Iftikhar Ahmad
Assistant Professor, Minhaj University Lahore
Shah0469@gmail.com
Hammad Sultan Ul Qadri
Mphil Scholar Minhaj University Lahore
hamaadsultan92@gmail.com
Sagheer Hussain
Mphil Scholar Minhaj University Lahore
sagheergill72@gmail.com

ABSTRACT

This research article presents a comparative analysis of women's rights as outlined in Surah al-Nisa and Surah al-Nur, examined through the interpretations of Tafsir Tibyan al-Qur'an and Tafsir Sirat al-Jinan. Surah al-Nisa addresses key issues such as financial support, inheritance, marriage, dowry, and marital responsibilities, while Surah al-Nur emphasizes chastity, protection against false accusations, and the guidelines for modesty. The study highlights how Tafsir Tibyan al-Qur'an elaborates on these rights with in-depth scholarly reasoning rooted in Hadith and Fiqh, whereas Tafsir Sirat al-Jinan presents them in a simplified and accessible manner for the general reader. The comparative approach demonstrates that the Qur'anic concept of women's rights is comprehensive, balanced, and practical upholding women's dignity while fostering justice and social harmony. This paper underscores the importance of combining scholarly depth with public accessibility to ensure the effective transmission of Qur'anic teachings in society.

Keywords: *Qur'an, Women's Rights, Surah al-Nisa, Surah al-Nur, Tafsir Tibyan al-Qur'an, Tafsir Sirat al-Jinan, Comparative Study, Islamic Law, Gender Justice.*

تفسیر تبیان القران اور تفسیر صراط الجنان میں بیان کردہ عورتوں کے حقوق کے مشترک پہلو:

کفالت وتولیت کا حق:

عربی زبان میں لفظ 'عائلہ 'بیوی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع عائلات اور عیال ہے۔ "عال" کے معنی ہیں عیال داری، یعنی بیوی بچوں والا۔ چنانچہ عائلی زندگی سے مراد گھر اور ان تمام افراد کی زندگی ہے، جو ماں باپ اور بچوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ "العول" کا لفظ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو انسان کو گرانبار کردے۔ اس سے لفظ عیال ہے، یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے فرد کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔

علامہ راغب اصفہانی عائلی لفظ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عالہ اور غالہ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔ لیکن "الغول" کا لفظ اس چیز سے متعلق استعمال ہوتا ہے جو انسان کو ہلاک کر ڈالے۔ اور "العول" کا لفظ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو انسان کو گراں بار کر دے اور اس کے بوجھ تلے وہ دب جائے۔ محاورہ ہے "ماعالک فھو عائل لی" کہ جو چیز تجھ پر بار ہے اور اس سے عول ہے۔ جس کے معنی حق استحقاق سے زیادہ لے کر بے انصافی کرنے کے ہیں۔([1])

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا([2])

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لئے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے)، پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

بعض لوگوں کی سرپرستی اور ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں وہ لڑکی اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اس کا سرپرست اس سے شادی کرنا چاہتا لیکن اس کو پورا مہر نہیں دینا چاہتا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے ایک سرپرست کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی جو اس کے مال میں شریک ہوتی۔ اس شخص کو اس لڑکی کا مال اور اس کا حسن و جمال پسند آتا وہ اس کے مہر میں عدل و انصاف کئے بغیر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا اور اس لڑکی کو جتنا مہر دوسرے لوگ دیتے اس سے کم مہر دینا چاہتا تو ایسے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا حتی کہ وہ ان کے مہر میں عدل و انصاف کریں اور رواج کے مطابق ان جیسی لڑکیوں کو جتنا مہر ملتا ہے اتنا مہر ان کو دیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں) تو ان یتیم لڑکیوں کے سوا اور لڑکیاں جو ان کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی سے نکاح جائز ہے کیونکہ یتیم نابالغ کو کہتے ہیں اور لڑکیوں کو رواج کے مطابق مہر دینا چاہئے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لڑکیاں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو اور لفظ "ما" عام ہے۔([3])

تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات:

اسلام نے یہ شرط عدل چار عورتوں سے نکاح کی جو اجازت دی ہے اس پر مستشرقین اعتراض کرتے رہتے ہیں دوسری طرف کچھ آزاد خیال مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو اللہ اور رسول سے زیادہ حقوق انسانیت کا محافظ سمجھتے ہیں ان ہی لوگوں کے اثر سے

---

1 الأصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد (۱۹۹۱ء)، المفردات في غريب القرآن، دار القلم، الدار الشامية ، دمشق بيروت، ص:۲۳۱

2 النِّسَآء، ۰۴:۰۳

3 سعیدی، غلام رسول (۲۰۰۵ء)، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ج:۲، ص:۵۴۷-۵۵۸

پاکستان میں عائلی قوانین بنائے گئے اور بیوی کی اجازت کے بغیر مرد کے لئے دوسری شادی کرنا قانونا" ممنوع قرار دے دیا گیا۔سالہا سال سے تادم تحریر پاکستان میں یہ قانون نافذ ہے حالانکہ ملک کے تمام اہل فتوئی علماء اس قانون کو مسترد کر چکے ہیں۔بعض معاشرتی مشکلات کے لئے تعدد ازدواج کی رخصت ایک معقول حل ہے اور اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔
یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عورتوں کی اوسط پیدائش مردوں کی اوسط پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کی شرح پیدائش میں ایک اور دو کی نسبت ہے اب اگر ہر مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تو سوال یہ ہے کہ جو عورتیں بچ جائیں گی ان کے لئے کیا طریقہ تجویز کیا جائے گا اس مسئلہ کے حل کی صرف تین صورتیں ہیں:

(ا) باقی ماندہ عورتیں تمام عمر شادی کے بغیر گزار دیں اور اپنی جنسی خواہش کبھی کسی مرد سے پوری نہ کریں۔

(ب) باقی عورتیں بغیر شادی کے ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں۔

(ج) باقی عورتوں سے وہ مرد شادی کرلیں جو مالی اور جسمانی طور سے اس کے اہل ہوں۔پہلی صورت فطرت کے خلاف ہے اور عام بشری طاقت سے باہر ہے۔

دوسری صورت دین اور قانون دونوں اعتبارسے ناجائز اور گناہ ہے اس لئے قابل عمل ، معروف، فطری اور پسندیدہ صورت صرف تیری صورت ہے جس کو اسلام نے پیش کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بالعموم مرد ساٹھ سال کی عمر تک جنسی عمل کا اہل اور ترو تازہ رہتا ہے جب کہ عورت بالعموم دس بارہ بچے جن کر چالیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد جنسی عمل کے لئے پر کشش یا اہل نہیں رہتی اب اگر صرف ایک بیوی سے نکاح کی اجازت ہو تو مرد اپنی زندگی کے بیں سال کیسے گزارے گا۔اس کی بھی صرف تین صورتیں ہیں۔

(الف) ان میں سالوں میں مرد اپنی جنسی خواہش کو بالکل پورا نہ کرے۔

(ب) اس عرصہ میں مرد ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے۔

(ج) اس عرصہ کے لئے مرد دوسری عورت سے نکاح کرلے۔پہلی صورت غیر فطری ہے اور دوسری صورت غیر قانونی اور غیر شرعی ہے اس لئے قابل عمل صرف تیسری صورت ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ مرد اور عورت کی جسمانی اہمیت میں عمر کا کسی معیار ہو، اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ مشکل بہر حال پیش آتی ہے اور تعدد ازدواج کے سوا اس کا اور کوئی معقول حل نہیں ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کی بیوی بانجھ ہوتی ہے جس سے اولاد نہیں ہو سکتی اور انسان اپنی نسل بڑھانے اور اپنا سلسلہ نسب آگے منتقل کرنے کے لئے طبعی طور پر اولاد کا خواہش مند ہوتا ہے اس مشکل کے حل کی بھی ان میں سالوں میں مرد اپنی جیسی خواہش کو بالکل پورا نہ کرے۔

(ب) اس عرصہ میں مرد نا جائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے۔

(ج) اس عرصہ کے لئے مرد دوسری عورت سے نکاح کرلے۔

پہلی صورت غیر فطری ہے اور دوسری صورت غیر قانونی اور غیر شرعی ہے اس لئے قابل عمل صرف تیسری صورت صرف دو صورتیں ہیں۔

(الف) پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلے۔

(ب) پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرلے۔

اور عدل و انصاف کے مطابق اور انسانی ہمدردی کے نزدیک تر صرف دوسری صورت ہے جو اسلام کے تعدد ازدواج کے اصول پر مبنی ہے کیونکہ جو عورت بانجھ ہو اس کو خود بھی اولاد کی پیاس ہوتی ہے اور شوہر کی اولاد سے بھی اس کی ایک گونہ تسکین ہو جاتی ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی شخص کی بیوی ایک متعدی مرض میں مبتلا ہو یا اسکو کوئی ایسی بیماری ہو جس میں شفاء کی امید بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو اور اس کا شوہر جوان اور صحت مند ہو۔اب اس شخص کے سامنے صرف چار راستے ہیں۔

(الف) اس عورت کو طلاق دے دے۔

(ب) تمام عمر جنسی خواہش پوری نہ کرے۔

(ج) نا جائز طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔

(د) وہ شخص دوسری شادی کرلے۔عدل و انصاف اور انسانی ہمدردی کے اعتبار سے یہی صورت قابل عمل ہے۔

چار بیویوں پر اقتصار کی توجیہہ:

صاحب استطاعت کو چار بیویوں کی اجازت دینے میں یہ حکمت ہے کہ اگر اس کی صرف ایک یا دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں ماہواری کے ایام میں ہوں اور اس کا خاوند صحت مند قوی اور توکتا ہو تو اس کا نفسانی خواہش پر قابو پانا مشکل ہو گا اور جب اس کی چار بیویاں ہوں گی تو ایسا بہت کم اتفاق ہو گا کہ وہ چاروں بہ یک وقت حیض اور نفاس کے مسائل سے دو چار ہوں اور اگر چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہوتی تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ ان کے حقوق ادا نہیں کر سکے گا اور بیویوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی کیونکہ تمام بیویوں کے حقوق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ "اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو"۔بیویوں کی باری مقرر کرنے میں ان کے ساتھ جماع کرنے اور ان کے کھانے پینے کپڑوں اور رہائش میں مساوات کرنا عدل اور انصاف ہے اور اگر اس کو کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ محبت اور دوسری سے کم ہو تو یہ عدل اور انصاف کے منافی نہیں ہے۔اس لئے صرف چار بیویوں پر اکتفا کرنا عدل اور متوسط صورت ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی تعداد کی کوئی حد معین نہیں تھی۔تاہم اسلام میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کر سکے اور چار سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔احادیث میں ہے کہ جن مسلمانوں نے پہلے چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی تھیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ اعلی علیہم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو منتخب کر کے رکھ لیں اور باقی کو الگ کر دیں۔

قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق احادیث:

امام ابو عیسی محمد بن عیسی ترندی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفیؓ اسلام لائے اور ان کی زمانہ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں تو ان کو نبی مالی پوزیم نے حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو اختیار کرلیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت قیس بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بیان کیا تو نبی ملی یم نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کر لو۔

احادیث صحیحہ صریحہ کا اقوال ائمہ پر مقدم ہونا:

اس مسئلہ میں بلکہ ہر مسئلہ میں ہمارا یہ موقف ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ ہر امام کے قول پر مقدم ہیں البتہ جس مسئلہ میں دو حدیثیں ہوں کہ کسی امام نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسرے امام نے دوسری حدیث پر عمل کیا تو ہم اسی حدیث پر کی عمل کریں گے جس پر ہمارے امام نے عمل کیا ہے اور اس کی وجوہ ترجیح بیان کریں گے جیسا کہ تقریب مہر کی مقدار میں انشاء اللہ واضح ہو جائے گا اور جس مسئلہ میں یہ ظاہر قرآن اور حدیث کا تعارض ہو اور ہمارے امام نے قرآن پر عمل کیا ہو ہم اس حدیث کو قرآن مجید کے مطابق کرکے اس کی توجیہہ کریں گے اور جس مسئلہ میں ایک طرف حدیث ہو اور دوسری طرف محض رائے اور قیاس ہو تو اس صورت میں ہمارے نزدیک حدیث مقدم ہے اور رسول اللہ علی عالم کی صحیح اور صریح حدیث کو کسی امام کے قول اور اس کی رائے کی بناء پر ترک کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور زیر بحث صورت ایسی ہی ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ اسلام لانے سے پہلے جس شخص کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ شخص اور اس کی تمام بیویاں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو اس شخص کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ان میں سے جن چار کو چاہے رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے میں نے تقریبا" ہمیں اکیس سال پہلے تذکرۃ المحدثین میں اس کے خلاف لکھا تھا، اس سے میں اب رجوع کرتا ہوں۔

مفتی قاسم عطاری ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں

{وَ اِنْ خِفْتُمْ:اور اگر تمہیں ڈر ہو۔}اِس آیت کے معنی میں چند اقوال ہیں۔

امام حسن بصری کا قول ہے کہ:

پہلے زمانہ میں مدینہ کے لوگ اپنی زیرِ سرپرستی یتیم لڑکیوں سے اُن کے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتے حالانکہ اُن کی طرف انہیں کوئی رغبت نہ ہوتی تھی، پھر اُن یتیم لڑکیوں کے حقوق پورے نہ کرتے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے اور اُن کے مال کے وارث بننے کے لئے اُن کی موت کے منتظر رہتے، اِس آیت میں اُنہیں اِس حرکت سے روکا گیا۔ ([4])

دوسرا قول یہ ہے کہ

لوگ یتیموں کی سرپرستی کرنے سے تو ناانصافی ہو جانے کے ڈر سے گھبراتے تھے لیکن زنا کی پرواہ نہ کرتے تھے، انہیں بتایا گیا کہ اگر تم ناانصافی کے اندیشہ سے یتیموں کی سرپرستی سے گریز کرتے ہو تو زنا سے بھی خوف کرو اور اُس سے بچنے کے لئے جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں اُن سے نکاح کرو اور حرام کے قریب مت جاؤ۔ ([5])

تیسرا قول یہ ہے کہ

[4] عبد الرحمن بن أبي بکر (۲۰۰۴ء)، تفسیر الجلالین مع صاوی، دار الفکر، بیروت، ج ۲، ص ۳۶۰۔

[5] الرازی، فخر الدین محمد بن عمر (۲۰۰۲ء)، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربي، ایران، ج ۱۳، ص ۱۸۳۔

لوگ یتیموں کی سرپرستی میں تو ناانصافی کرنے سے ڈرتے تھے لیکن بہت سے نکاح کرنے میں کچھ خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے، اُنہیں بتایا گیا کہ جب زیادہ عورتیں نکاح میں ہوں تو اُن کے حق میں ناانصافی سے بھی ڈرو جیسے یتیموں کے حق میں ناانصافی کرنے سے ڈرتے ہو اور اُتنی ہی عورتوں سے نکاح کرو جن کے حقوق ادا کر سکو۔ ([6])

حضرت عِکْرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا کہ:

قریش دس دس بلکہ اس سے زیادہ عورتیں کرتے تھے اور جب اُن کا بوجھ نہ اٹھاسکتے تو جو یتیم لڑکیاں اُن کی سرپرستی میں ہوتیں اُن کے مال خرچ کر ڈالتے۔([7])

اِس آیت میں فرمایا گیا کہ اپنی مالی پوزیشن دیکھ لو اور چار سے زیادہ نہ کرو تاکہ تمہیں یتیموں کا مال خرچ کرنے کی حاجت پیش نہ آئے۔

دونوں تفاسیر میں خواتین کے حقوق کا تقابلی جائزہ:

مندرجہ بالا دونوں تفاسیر میں ازدواجی اور یتیم لڑکیوں کی ولایت کے موضوعات کے حوالے سے مختلف زاویے پیش کیے گئے ہیں۔ غلام رسول سعیدی نے اپنے تجزیے میں فقہی آراء اور احادیث کی تشریح کرتے ہوئے تعدد ازدواج کو ایک معاشرتی ضرورت کے طور پر پیش کیا۔ ان کی توجہ اسلامی اصولوں کے ساتھ ساتھ معاشرتی ضروریات اور مشکلات کے حل پر ہے۔ وہ دلائل کے ساتھ مرد و خواتین کے جسمانی اور معاشرتی مسائل کو بیان کرتے ہوئے تعدد ازدواج کے فوائد اور اس کے لیے عدل کی شرط پر زور دیتے ہیں۔ انہوں نے شریعت کے احکامات کی تفہیم کو مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دینے اور معاصر قوانین کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

مفتی قاسم عطاری نے قرآن کی آیت کے معنی کو مختلف مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا ہے اور خاص طور پر یتیم لڑکیوں کے مال اور نکاح کے حوالے سے روایتی مسائل پر بات کی ہے۔ ان کی توجہ زیادہ تر قرآن کے معنی اور یتیم لڑکیوں کے حقوق پر ہے۔ قاسم عطاری کا تجزیہ ان مسائل کو بیان کرتا ہے کہ کیسے لوگ یتیم لڑکیوں سے غیر منصفانہ سلوک کرتے اور ان کے مال پر تصرف کرتے تھے۔ ان کے مطابق نکاح میں عدل کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا اور عدل و انصاف کی عدم موجودگی میں نکاح کے مسائل کا حل تجویز کیا گیا۔

دونوں تفاسیر میں یتیم لڑکیوں کی ولایت اور تعدد ازدواج کی اہمیت کو بیان کیا گیا، لیکن غلام رسول سعیدی کی تفسیر میں معاشرتی تناظر زیادہ نمایاں ہے جبکہ قاسم عطاری نے قرآنی آیات کے سیاق وسباق اور مختلف اقوال کے ساتھ ساتھ اخلاقی رہنمائی پر زیادہ زور دیا ہے۔

2. وراثت کا حق

آپ ﷺ نے قرآن کی تشریح کے مطابق یہ خوشخبری سنائی کہ بیٹی کا باپ ہونا ہرگز باعث عار نہیں، بلکہ موجب سعادت ہے۔ اسلام نے نہ صرف معاشرتی اور سماجی سطح پر بیٹی کو بلند مقام عطا کیا بلکہ اسے وراثت کا بھی حق دار ٹھہرایا۔ اسلام نے عورت کو جو معاشی حقوق دیئے ہیں وہ صرف قانون کی حد تک ہی نہیں ہیں بلکہ ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے انھیں ادا کرنے کا جذبہ بھی مردوں میں پیدا کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ

[6] النسفی، عبداللہ بن أحمد (۲۰۰۰ء)، مدارک التنزیل، النساء، تحت الآیۃ:۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص۲۰۹۔

[7] الخازن، علاء الدین علی بن محمد (۱۴۱۵ھ)، تفسیر خازن، النساء، تحت الآیۃ:۳، دار الفکر، بیروت، ج۱، ص۳۴۰۔

وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا([8]

اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لئے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے، اور مُورِث کے ماں باپ کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مُورِث کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر اس میت (مُورِث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے)، پھر اگر مُورِث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہو گی)، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے، یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی مقرر) ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

چنانچہ احکام الہیٰ سے واضح ہو رہا ہے کہ بچیاں نحوست کی علامت نہیں ہیں بلکہ رحمت خداوندی ہے۔ آج بھی والد کی نظر میں بیٹیوں کے لیے خاص مقام ان کی نگاہ میں ان کی جگر کے ٹکڑوں کی حیثیت بہت ہی زیادہ ہے وہ ان کے سکھ لکھ چاچین، راحت اور سکون کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ان کے مستقبل کی فکر بیٹوں کے مستقبل سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ بیٹیوں کے مستقبل کی خاطر سر توڑ کوشش کرتے ہیں، ان کے لیے صعوبتیں اُٹھاتے ہیں اور اپنی گوشہ ہائے جگر کی شادیوں کے موقع پر باوقار طریقے سے رخصت کرنے کے لیے کچھ مال و اسباب جمع کر پاتے ہیں۔

تفسیر تبیان القرآن میں غلام رسول سعیدی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالی نے اجمالی طور پر وراثت کے احکام بیان فرمائے تھے: مردوں کے لئے اس (مال میں سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ وہ (مال) کم ہو یا زیادہ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے اور اب اللہ تعالی نے تفصیلی طور پر وراثت کے احکام شروع فرمائے۔ وراثت کے احکام میں اللہ تعالی نے اولاد کے ذکر سے ادکام شروع فرمائے کیونکہ انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علی اعلام نے فرمایا فاطمہ) میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔)

اس وجہ سے اللہ تعالی نے وراثت کے احکام میں سب سے پہلے اولاد کے حصص بیان فرمائے۔ امام ابو عیسی محمد بن مینی ترندی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

> حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میں بنو سلمہ میں اپنے گھر کے اندر بیمار تھا تو رسول اللہ علی علیم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ایمں اپنے مال کو اپنی اولاد کے درمیان کسی طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: اللہ تمہاری اولاد کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ میت کے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں :

---

8 النِّسَآء، ۴:۱۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ علی علیم نے فرمایا کتاب اللہ کے مطابق مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کرو اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ میت کے)سب سے اقرب مرد کو دو۔

سو اس صورت میں کل ترکہ کے ۲۴ حصص کئے جائیں اس میں سے ۳ حصے اس کی بیوی کو ۴،۴ حصے اس کے باپ اور ماں کو اور باقی ماندہ ۱۳ حصص اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیں کہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ ملے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے صرف بیٹیاں چھوڑی ہوں اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو ثلث (دو تہائی ملیں گے اور اگر صرف ایک بیٹی چھوڑی ہو تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اور اس کے بعد جو ترکہ بچے گا تو وہ دیگر اصحاب الفرائض کو ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے عصبات کو مل جائے گا اور اگر میت نے صرف بیٹے چھوڑے ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اگر بیٹیوں کے ساتھ اصحاب الفرائض بھی ہوں تو اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ پر دینے کے بعد باقی تمام مال بیٹوں کو دے دیا جائے گا۔ مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کی وجوہات

عورت کو وراثت میں مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت مرد کی بہ نسبت پیسوں کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ مرد آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر گھر سے باہر نکل سکتا ہے اور عورت اپنے شوہر یا والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل نہیں سکتی اور اگر باہر جائے تو اس کی عزت اور عصمت کے لئے متعدد خطرات ہیں نیز چونکہ اس کی عقل کم ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو اس کے لٹ جانے یا دھوکا کھانے کا بہت اندیشہ ہے اور جسمانی طور پر وہ کمزور صنف ہے اس لئے اگر اس کو مرد سے دگنا حصہ نہ دیا جائے تو کم از کم برابر حصہ دینا چاہئیے۔ اس سوال کے حسب ذیل متعدد جواہات ہیں:

(۱) مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں کیونکہ مرد پر اپنی اپنی بیوی اور بچوں کی اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہیۓ۔

(۲) سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں مثلاً" وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ملک اور وطن کے نظم و نسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ملک اور وطن کے دفاع کے لئے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود اور قصاص میں وہی گواہ ہو سکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے سو جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس کا وراثت میں حصہ بھی دگنا ہونا چاہیۓ۔

(۳) عورت چونکہ صنفاً کمزور ہوتی ہے اور اس کو دنیاوی معاملات کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو زیادہ پیسے مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اس کے وہ سب پیسے ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بحث ذکر کی ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ قطعی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جائیں گے وہ نلنی ہے تو حضرت ابو بکر ہی ہونے نظنی حکم کے مقابلہ میں قلعی کو کیوں ترک کر دیا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے حصہ کیوں نہیں دیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے لئے ظنی ہے حضرت ابو بکر نے چونکہ اس کو زبان

رسالت سے سنا تھا اس لئے ان کے لئے یہ حدیث قرآن مجید کی طرح قلعی تھی اس کی مفصل بحث ہم نے شرح مسلم جلد خامس میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔([9])

تفسیر صراط الجنان میں مفتی قاسم عطاری ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ورثا میں وراثت کا مال تقسیم کرنے کی صورتیں:

(1)… باپ کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر میت کا باپ ہو اور ساتھ میں بیٹا بھی ہو تو باپ کو 1 / 6 ایک بٹا چھ ملے گا۔ (۲) اگر میت کا باپ ہو اور ساتھ میں بیٹا نہ ہو بلکہ صرف بیٹی ہو تو باپ کو 1 / 6 ایک بٹا چھ ملے گا اور بقیہ ورثاء کو دینے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو وہ باپ کو بطورِ عَصبہ کے ملے گا۔ (۳) اگر میت کا باپ ہو اور ساتھ میں نہ کوئی بیٹا ہو اور نہ کوئی بیٹی ہو تو باپ کو بطور عصبہ کے ملے گا۔

(2)…ماں شریک بھائی کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اَخیافی بھائی اگر ایک ہو تو اخیافی بھائی کو 1 / 6 ایک بٹا چھ ملے گا۔

(۲) اخیافی بھائی اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں خواہ بھائی ہو یا بہنیں یا دونوں مل کر تو انہیں 1 / 3 ایک بٹا تین ملے گا۔

(۳) باپ، دادا، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح اخیافی بہن کے بھی یہی تین احوال ہیں۔

(3)…شوہر کی دو صورتیں ہیں: (۱) اگر فوت ہونے والی کی اولاد ہے تو شوہر کو 1 / 4 ایک بٹا چار ملے گا۔ (۲) اگر فوت ہونے والی کی اولاد نہیں تو شوہر کو 1 / 2 ایک بٹا دو ملے گا۔

(4)… بیوی کی دو صورتیں ہیں: (۱) اگر فوت ہونے والے کی اولاد ہے تو بیوی کو 1 / 8 ایک بٹا آٹھ ملے گا۔ (۲) اگر فوت ہونے والے کی اولاد نہیں ہے تو بیوی کو 1 / 4 ایک بٹا چار ملے گا۔

(5)… بیٹی کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر بیٹی ایک ہو تو 1 / 2 ایک بٹا دو یعنی آدھا مال ملے گا۔ (۲) اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو 2 / 3 دو بٹا تین ملے گا۔ (۳) اگر بیٹیوں کے ساتھ بیٹا بھی ہو تو بیٹیاں عصبہ بن جائیں گی اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائے گا۔

(6)…ماں کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی یا کسی بھی قسم کے دو بہن بھائی ہوں تو ماں کو کل مال کا 1 / 6 ایک بٹا چھ ملے گا۔ (۲) اگر میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی کوئی نہ ہو اور بہن بھائیوں میں سے دو افراد نہ ہوں خواہ ایک ہو تو ماں کو کل مال کا 1 / 3 ایک بٹا تین ملے گا۔ (۳) اگر میت نے بیوی اور ماں باپ یا شوہر اور ماں باپ چھوڑے ہوں تو بیوی یا شوہر کو اس کا حصہ دینے کے بعد جو مال باقی بچے اس کا 1 / 3 ایک بٹا تین ماں کو دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ دو اہم اصول:

(1)… بیٹے کو بیٹی سے دگنا ملتا ہے اور جہاں بھائی عصبہ بنتے ہوں وہاں انہیں بہنوں سے دگنا ملتا ہے اور کئی جگہ بہنیں بھی عصبہ بن جاتی ہیں اور اصحابِ فرائض کو دینے کے بعد بقیہ سارا مال لے لیتی ہیں۔

(2)… ایک اور اہم قاعدہ ہے کہ قریبی کے ہوتے ہوئے دور والا محروم ہو جاتا ہے جیسے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا، باپ کے ہوتے ہوئے دادا، بھائی کے ہوتے ہوئے بھائی کی اولاد وغیرہ۔

---

[9] سعیدی، غلام رسول (۲۰۰۵ء)، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ج:۲، ص:۵۹۲-۵۹۴

دونوں تفاسیر، تبیان القرآن از غلام رسول سعیدی اور صراط الجنان از محمد قاسم عطاری، کی روشنی میں کچھ خاص نکات سامنے آتے ہیں۔ دونوں تفاسیر میں قرآن کی آیتِ وراثت کی تشریح میں گہرائی کے ساتھ تفسیر دی گئی ہے، تاہم ان کا طرزِ بیان، علمی روایات کا استناد اور اسلوب مختلف ہیں۔

بحیثیت بہن ترکے میں حصہ داری کا حق:

چونکہ جاہلیت میں بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے اور انکے حصہ وراثت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس سے روک دیا اور جائیداد میں بیٹے کے حصے کا تعین بیٹیوں کا حصہ واضح بتا کر کیا کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ بلکہ خود بھائیوں کی وراثت میں بھی ان کا حصہ مقرر کر دیا۔ کوئی ایسا بھائی فوت ہو جائے جس کی اولاد اور والدین نہ ہوں اور صرف ایک بہن ہی ہو تو اس کے تمام مال کے آدھے حصے کی تنہا وارث ہو گی۔ اگر دو ہوں تو تہائی مال ان کا ہو گا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۚ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ۚ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۚ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ[10]

لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا) بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہو گا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر (کلالہ بھائی کی موت پر) دو (بہنیں وارث) ہوں تو ان کے لئے اس (مال) کا دو تہائی (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے، اور اگر (بصورتِ کلالہ مرحوم کے) چند بھائی بہن مرد (بھی) اور عورتیں (بھی وارث) ہوں تو پھر (ہر) ایک مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو گا۔ (یہ احکام) اللہ تمہارے لئے کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

علامہ سید محمد مرتضی حسینی زبیدی حقی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) زندہ ہو نہ اولاد ہو یا کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو نہ والد ہے۔ ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو، جیسے تم زاد بھائی یا اخیافی بھائی بہن ازہری نے کہا کہ سورہ نساء میں دو جگہ کلالہ کا ذکر کیا گیا۔

آیت: ۱۲ اور آیت: ۱۷۶، آیت: ۱۲ میں فرمایا اگر ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کیا جائے جو کلالہ ہو اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پس اگر وہ (اخیافی بہن یا بھائی) ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں اور آیت: ۱۷۶ میں فرمایا: آپ کہئے اللہ تمہیں کلالہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر ایسا مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک حقیقی یا علاقی) بہن ہو تو اس (بن) کو اس کے ترکہ سے نصف ملے گا اور وہ اس (بن) کا وارث ہو گا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ دور کے عم زاد کو کلالہ کہتے ہیں اور اخفش نے فراء سے نقل کیا ہے کہ والد (ماں باپ اور اولاد کے سوا قرابت داروں کو کلالہ کہتے ہیں اور ان کو کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ میت کے نسب کے گرد قرابت کی جہت سے گھومتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا

---

10 النِّسَآء، ۴:۱۷۶

گیا ہے کہ جس کے والد (ماں باپ) اور ولد ساقط ہو جائیں وہ کلالہ ہے، نیز کل کا معنی تھکنا ہے اور ضعیف کو تھکنا لازم ہے، یہاں لازم بول کر لزوم مراد لیا ہے کیونکہ جو وارث اصول اور فروغ نہ ہوں وہ ضعیف ہوتے ہیں۔ اس لیے کلالہ کا معنی ہے ضعیف وارث۔ ([11])

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ کا یہ قول ہے کہ جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو وہ کلالہ ہے، حضرت عمر بن الخطابؓ کے اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور صحابہ کی مثل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی اولاد نہ ہو اور یہ ان کا آخری قول ہے۔ امام عبد الرزاق نے حضرت ابن عباس بی او سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو موت کے وقت یہ وصیت کی کہ کلالہ تمہارے قول کے مطابق ہے، حضرت ابن عباس نے کہا میرا کیا قول ہے تو انہوں نے کہا جس شخص کی اولاد نہ ہو، حسن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کلالہ کون ہے ؟ انہوں نے کہا والد اور والد کے ماسوا کلالہ ہے میں نے کہا اللہ عز و جل تو ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد (النساء: ۱۷۶) اگر کوئی شخص مر جائے - اور اس کی اولاد نہ ہو۔ "(یعنی اس آیت میں کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے) تو حضرت ابن عباس ناراض ہوئے اور مجھے جھڑک دیا میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں کلالہ کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے، اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ آیت ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت حضرت جابر کی اولاد تھی نہ والد زندہ تھے۔ (حضرت جابر کی اس وقت والدہ بھی زندہ نہیں تھیں۔ اس لیے کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں نہ اولاد ہو۔

کلالہ کے متعلق حضرت جابر کی حدیث:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا، آپ ﷺ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میری میراث کس کے لیے ہو گی ؟ میرا وارث تو کلالہ ہو گا تو فرائض کی آیت نازل ہو گئی۔

اس حدیث میں صالحین کی استعمال شدہ اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اور رسول اللہ علی تعلیم کی برکت کے آثار کا ظہور ہے اور یہ کہ اکابر کو اساغر کی عیادت کرنی چاہئے اور اہل علم سے مسائل معلوم کرنا چاہئے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد کیونکہ اس وقت حضرت جابر کی صرف بہنیں تھیں، نہ والدین تھے نہ اولاد کلالہ کی تعریف میں جہاں یہ کہا ہے کہ اس کا والد نہ ہو اس سے ماں اور باپ دونوں مراد ہیں اور جہاں یہ کہا ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ نہ اس کا بیٹا ہو نہ بیٹی۔

کلالہ کی وراثت کے چار احوال:

جو شخص کلالہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے چار احوال بیان فرمائے ہیں :

[11] الزبیدی، محمد مرتضی (۲۰۱۰ء)، تاج العروس، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۸، ص ۱۰۱

(1) ایک شخص فوت ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اس کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا پھر اگر اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہو گا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی اسے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(۴) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بہن بھائیوں میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

ازدواجی حقوق:

ازدواجی زندگی جنسی ضرورت کو پورا کرنے کا فطری اہتمام ہے اور یہ ضرورت زوجین میں سے ہر ایک کے لیے ہے۔ زوجین کا رشتہ اور تعلق فطری آسودگی کا اہتمام کرتا ہے، اس لیے اسلام نے دونوں کی وجودی حیثیت اور ضرورت کو برقرار رکھنے کے لیے اس طرح دونوں زوجین کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

ترجمہ: عورتیں تمہارا لباس ہیں تو تم ان کا لباس ہو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت سے ہیں، یہ نہیں کہا گیا کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں نہ ہی کہا گیا کہ مرد تمہارا لباس ہیں۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا۔ جس طرح بیوی کے ذمہ خاوند کے حقوق ہوتے ہیں، اس طرح خاوند پر بھی اسلام نے بیوی کے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں۔ قرآن مجید نے بحیثیت بیوی عورت کا مقام واضح کیا اور اسے وسیع حقوق دیئے۔

اسلام نے نکاح کو ایک معاہدہ قرار دے کر بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا([12])

اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے سے پہلو بہ پہلو مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد (بھی) لے چکی ہیں

گویا نکاح ایک معاہدہ اور ایک امانت ہے اس لیے جیسے مرد کے عورت پر حقوق ہیں، ویسے ہی عورت کی طرف سے اس کے ذمے فرائض بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عورتوں سے نیکی اور انصاف کا سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔ اسلام نے حقوق کے معاملے میں تمام مردوں اور عورتوں کو برابر قرار دیا۔ کسی کو صنفی بنیادوں پر اعلیٰ وارفع نہیں بلکہ برابر قرار دیا گیا۔ حقوق میں برابری کا معیار سمجھنے کے لیے سرورِ کائنات کا اس ارشاد وضاحت کرتا ہے کہ:

أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا ([13])

آگاہ رہو کہ عورتوں پر تمہارے حقوق ویسے ہی ہیں جیسے تم مردوں پر عوتوں کے حقوق ہیں۔

---

12 سورۃ النساء: ۰۴:۲۱

13 **الترمذی، أبو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی (۲۰۰۱ء)**، الجامع الکبیر، دار الرسالۃ العالمیۃ، أَبْوَابُ الرَّضَاعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث: ۱۱۶۳، ج ۰۳، ص ۳۵۔

تفسیر تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مہر کا حق

بیوی کا سب سے پہلا حق اس کے مہر کی ادائیگی ہے، جو نکاح کے ساتھ سب سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ مہر وہ رقم یا چیز ہے جو مرد اپنی منکوحہ کو بلا کسی معاوضہ کے بطور ہدیہ دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (14)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو،

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور عدل و انصاف میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں ان کا مہر ادا کرنا بھی ہے اس لئے اس آیت میں فرمایا: اور عورتوں کو کے مہر محلہ (خوشی) سے ادا کرو۔ نحلہ کا معنی شریعت اور فریضہ بھی ہیں اور ہبہ اور عطیہ بھی ہیں۔ پہلی صورت میں اس کو آیت کا معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر از روئے شریعت اور بہ طور فرض ادا کرو یعنی اللہ تعالی نے مہر کو ادا کرنا تم پر فرض کر دیا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتے تھے اور دوسری صورت میں اس آیت کا معنی ہے۔ عورتوں کو ان کے مر ادا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے۔ نحل کا معنی کسی کام کو خوشی سے کرنا بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں دل تنگ نہ کرو۔

مہر کا مقرر کرنا صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے:

اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں نکاح کے ساتھ مر کو مقرر نہیں کیا گیا۔ مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے تو دوسری جگہ نکاح ہونے تک اس کے پاس کچھ رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے یا گزر اوقات کا کوئی اور معاشی ذریعہ مقرر ہونے تک اس کے پاس اتنی رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے۔ اسلام نے مردوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کا مہر ادا کریں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب آیات اور احادیث سے واضح کریں گے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں عورتوں کے حقوق کا محافظ اور ضامن صرف مذہب اسلام ہے۔

بیویوں کے درمیان عدل کا حکم اور بعض دوسرے مسائل:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شب زفاف کے بعد نئی بیوی کا پرانی بیوی سے زیادہ حصہ ہے اگر نئی بیوی کنواری ہے تو اس کے سا شوہر پہلے سات دن رہے گا اور اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا اور اگر نئی ہوئی بیوہ ہے تو اس کے ساتھ پہلے تین دن رہے گا۔ اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا۔ امام ابو حنیفہ بیویوں کے دنوں کی تقسیم کے معاملہ میں نئی پرانی کا فرق نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں بیویوں میں تقسیم واجب ہے اگر نئی بیوی کے ساتھ تین دن رہے گا تو باقی بیویوں میں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین دن رہے گا۔

14 سورۃ النساء: ۰۴:۰۴

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا فرض ہے۔ نئی پرانی کنواری اور بیوہ اس حکم میں سے برابر ہیں۔ لباس کھانے پینے رہنے کی جگہ اور بیوی کے ساتھ رات گزارنے میں تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنا واجب ہے۔ البتہ انس اور محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ آج کل لوگ دو شادیاں کر لیتے ہیں۔ ایک بیوی کے ساتھ مستقل رہتے ہیں اور دوسری کے ساتھ نہیں رہتے یہ عدل کے خلاف ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مر کی مستحق عورتیں ہیں نہ کہ ان کے اولیاء اور اگر اولیاء (سرپرست) نے مر وصول کر لیا ہو تو ان پر لازم ہے کہ اس مہر کو مستحق عورت تک پہنچا دیں۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو وہ اپنے شوہروں کو کل مہر یا مر کا بعض حصہ ہبہ کر دیں لیکن ان سے مہر معاف کرانے کے لئے ان کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اگر وہ خوشی سے تم کو مصر میں سے کچھ دے دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ۔ اس لئے ان کی خوشی کے بغیر ان سے مہر معاف کر الینا جائز نہیں ہے۔([15])

اسی طرح مفتی محمد قاسم عطاری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں"

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔} اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کریں پھر اگر ان کی بیویاں خوش دلی سے اپنے مہر میں سے انہیں کچھ تحفے کے طور پر دے دیں تو وہ اسے پاکیزہ اور خوشگوار سمجھ کر کھائیں، اس میں ان کا کوئی دُنیوی یا اُخروی نقصان نہیں ہے۔([16])

تفسیر تبیان القرآن اور تفسیر صراط الجنان، دونوں نے مہر کے موضوع پر قرآن کی آیات کا تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس موضوع کو اسلامی تعلیمات کے تناظر میں تشریح کی ہے، تاہم دونوں میں کچھ خصوصیات و اسالیب مختلف ہیں۔ تبیان القرآن میں غلام رسول سعیدی نے مہر کی آیات کی لغوی اور تاریخی وضاحت کی ہے، مثلاً "نِحلَةً" کے معنی پر توجہ دیتے ہوئے اس کے مختلف استعمالات اور احکامات کو تفصیل سے بیان کیا۔ یہ وضاحت اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ مہر ایک خوش دلی سے ادا کیا جانے والا حق ہے اور اس کے شرعی اصول کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ صراط الجنان میں محمد قاسم عطاری نے بھی مہر کی آیت کی تشریح کی ہے مگر وہ زیادہ جامع اور مختصر ہے۔ یہ تفسیر مہر کو خواتین کے حقوق کے تناظر میں بیان کرتی ہے اور اس پر زور دیتی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو خوش دلی سے مہر ادا کرے۔ تبیان القرآن میں سعیدی نے مہر کی اہمیت کو اسلامی معاشرت کے فلسفے کے تناظر میں واضح کیا، جیسے کہ نکاح میں مہر کی شرط، اس کے فوائد اور تاریخی پس منظر پر بھی روشنی ڈالی۔ انہوں نے امام بخاری، امام احمد بن حنبل، اور طبرانی جیسے مشہور محدثین کی روایات سے مہر کی اہمیت کو ثابت کیا ہے۔

صراط الجنان میں عطاری نے عملی مسائل پر زور دیا ہے، جیسے مہر کی وصولی، اس کے حقدار، مہر کی معافی یا واپس نہ لینے کی شرعی حیثیت، اور مہر کے حوالے سے شوہر کے کردار اور رویے پر گفتگو کی گئی ہے۔ تبیان القرآن میں مہر کی ادائیگی کے حوالے سے عورتوں کے حقوق کی بات کی گئی ہے، اور اس میں عادلانہ سلوک اور عدل کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے برعکس انہوں نے مہر ادا نہ کرنے کی وعید اور اس سے متعلق روایات کو بھی واضح کیا۔

صراط الجنان میں مہر کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ بیویوں کو اپنے مہر سے متعلق مکمل حقوق دیے جائیں اور ان کو مجبور نہ کیا جائے۔ عطاری نے بھی مہر کو بوجھ نہیں بلکہ شریعت کے مطابق خوش دلی سے ادا کیے جانے والے حق کے طور پر بیان کیا ہے۔

15سعیدی، غلام رسول (۲۰۰۵ء)، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ج:۲، ص:۵۶۶-۵۶۹

16**الخازن، جمال الدین ابو الحسن علي بن محمد (۲۰۰۱ء)**، تفسیر الخازن، دار احیاء التراث العربي، بیروت، ج ۱، ص ۳۴۴۔

تبیان القرآن کا اسلوب زیادہ علمی، تحقیقی اور لغوی تحقیق پر مبنی ہے اور اس میں ائمہ کرام کی آراء اور تاریخی حوالہ جات شامل ہیں۔ صراط الجنان کا انداز سادہ، عمومی قاری کے لیے موزوں اور عملی مسائل پر توجہ مرکوز کرنے والا ہے۔ عطاری نے عصری مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے مہر کے متعلق رہنمائی فراہم کی ہے۔ دونوں تفاسیر مہر کے موضوع پر بھرپور رہنمائی فراہم کرتی ہیں، مگر تبیان القرآن میں زیادہ گہرائی اور تحقیق موجود ہے جبکہ صراط الجنان میں عصری مسائل اور عوامی رہنمائی پر زور ہے۔

تفسیر تبیان القران اور تفسیر صراط الجنان میں بیان کردہ عورتوں کے حقوق کے مختلف پہلو:

عدم تشدد

قرآن نے اگرچہ مرد کو بیوی پر ایک گنا برتری (قوامیت) دی ہے، اسے خاندان کا منتظم بنایاہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ بیوی کے کو اپنی کنیز سمجھتے ہوئے اس پر ظلم کرتا رہے۔ اس لیے تو، قرآن نے خاوند کو یہ بات سمجھادی کہ بیوی بھی تمہاری طرح حقوق کی مالک ہے اور نیز اس نے تم سے ایک پختہ معاہدہ لیاہے۔ قرآن نے خاوند کو اس بات سے بھی روکا ہے کہ وہ ظلم و زیادتی کے لیے بیو، بیوی اپنے پاس روکے رکھے۔ کیونکہ اسلام سے پہلے عورتوں کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

بیوی پر ظلم کرنا خدا کی حدود اللہ کو پھلانگ کر اس کے عذاب کا مستحق بن جاناہے اور اس طرح بیوی پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر ہی ظلم ہوا۔ اس لیے اگر خاوند بیوی کو اپنے پاس رکھنا نہ چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اسے عمدہ طریقے سے رُخصت کردے۔ اسے محض ستانے کے لیے روکے رکھنا اور بار بار طلاق دے کر رجعت کرلینا، بیوی کو ذہنی و جسمانی تکلیف دیناہے، جسے قرآن کریم قطعی پسند نہیں کرتا۔([17])

اسلام سے قبل عورت کو اس دائمی اذیت میں مبتلا رکھا جاتا تھا اور اس طریقے سے عورتوں کی تذلیل کی جاتی تھی، مذکورہ بالا آیت میں اس سے منع کیا گیاہے۔ باقی قرآن کریم نے بیوی کو مارنے کی جو اجازت دی ہے تو وہ بالکل آخری "نشوز" کی حالت میں ہے۔ یعنی عورت جب شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے اور مقابلے پر اتر آئے، پھر "نشوز" کے ساتھ "تخافون" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے بارے میں مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ بیوی کی نافرمانی وبغاوت کا یقینی علم اور تجربہ ہو جائے، محض بدگمانیاں اور غلط فہمیاں کافی نہیں۔ اس صورت میں بھی پہلے زبانی نصیحت ہوگی، نصیحت اگر نہ مانے تو بستر پر علیحدہ چھوڑنا ہوگا۔ اس کے باوجود بھی اگر راہ راست پر نہ آئے، تو پھر اسے مار دے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًاؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا([18])

مَرد عورتوں (کی معاشی اور سکونتی ضروریات کی کفالت) کے ذِمہ دار اور منتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں، پس نیک بیویاں اطاعت شعار ہوتی ہیں شوہروں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی و سرکشی کا اندیشہ ہو تو اُنہیں نصیحت کرو اور (اگر نہ سمجھیں تو) اُنہیں خواب گاہوں میں (خود سے) علیحدہ کر دو اور (اگر پھر بھی اِصلاح پذیر نہ ہوں تو) اُن سے (تادیباً) عارضی طور پر الگ ہو جاؤ؛ پھر اگر وہ (رضائے الٰہی کے لیے) تمہارے ساتھ تعاون کرنے لگیں تو ان کے خلاف کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ سب سے بلند سب سے بڑا ہے۔

---

17 الازہری ، پیر محمد کرم شاہ ،(۱۹۹۵ء) ضیاء القرآن ،ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ، ج:۱،ص :۳۳۱

18 سورۃ النساء : ۳۴:۰۴

غلام رسول سعیدی ان آیات کی تفسیر میں تبیان القرآن میں لکھتے ہیں

اس سے پہلے اللہ تعالی نے فرمایا تھا کہ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس کا شان نزول یہ تھا کہ بعض عورتوں نے یہ کہا تھا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور وراثت میں ان کا حصہ دگنا رکھا گیا حالانکہ ہم صنف ضعیف ہیں اس لئے ہمارا زیادہ حصہ ہونا چاہئے تھا، اللہ تعالی نے اس آیت میں اس کا جواب دیا ہے کہ مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لئے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے۔ قوام کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

قوام کا معنی ہے کسی چیز کو قائم کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی اے وہ لکھتے ہیں :

مرد عورت کا قوام ہے یعنی اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کا خرچ برداشت کرتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوی حنفی لکھتے ہیں :

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نبوت رسالت حکومت امامت اذان اقامت اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

امام محمد بن اسمعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایام جمل میں ہو سکتا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا، اس موقع پر مجھے اس حدیث نے فائدہ پہنچایا جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا جب اہل فارس نے کسرٰی کی بیٹی کو اپنا حاکم بنا لیا تو رسول اللہ علی ایم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح (اخروی) نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات میں ایک عورت کو حاکم بنالیا۔

امام ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صل وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں ، تمہارے اغنیاء کی ہوں، اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب کو تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔[19]

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ روایت کرتے ہیں :

[19] **الترمذی، محمد بن عیسٰی (۱۹۹۵ء)**، مسند الترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۷۳، دار الفکر، بیروت۔

حضرت ابو بکرہ ہی کو بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو فتح کی خوش خبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی ، نبی سلیم نے فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔(حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح الاسناد کہاہے۔)([20])

اسی طرح صراط الجنان میں مفتی محمد قاسم عطاری لکھتے ہیں:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ:مرد عورتوں پر نگہبان ہیں۔عورت کی ضروریات، اس کی حفاظت، اسے ادب سکھانے اور دیگر کئی امور میں مرد کو عورت پر تَسَلُّط حاصل ہے گویا کہ عورت رعایااور مرد بادشاہ، اس لئے عورت پر مرد کی اطاعت لازم ہے، اس سے ایک بات یہ واضح ہوئی کہ میاں بیوی کے حقوق ایک جیسے نہیں بلکہ مرد کے حقوق عورت سے زیادہ ہیں اور ایسا ہونا عورت کے ساتھ ناانصافی یا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف اور حکمت کے تقاضے کے مطابق ہے۔شانِ نزول: حضرت سعد بن ربیع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی حبیبہ کو کسی خطا پر ایک طمانچہ مارا جس سے ان کے چہرے پر نشان پڑ گیا، یہ اپنے والد کے ساتھ حضور سیدُ المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں اپنے شوہر کی شکایت کرنے حاضر ہوئیں۔ سرورِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قصاص لینے کا حکم فرمایا، تب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قصاص لینے سے منع فرما دیا۔ ([21])

لیکن یہ یاد رہے کہ عورت کو ایسا مارنا ناجائز ہے۔

بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ:اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔} مرد کو عورت پر جو حکمرانی عطا ہوئی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔

مرد کے عورت سے افضل ہونے کی وجوہات:

مرد کے عورت سے افضل ہونے کی وجوہات کثیر ہیں، ان سب کا حاصل دو چیزیں ہیں علم اور قدرت۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد عقل اور علم میں عورت سے فائق ہوتے ہیں، اگرچہ بعض جگہ عورتیں بڑھ جاتی ہیں لیکن مجموعی طور پر ابھی بھی پوری دنیا پر نگاہ ڈالیں تو عقل کے امور مردوں ہی کے سپرد ہوتے ہیں۔یونہی مشکل ترین اعمال سرانجام دینے پر انہیں قدرت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ مرد عقل و دانائی اور قوت میں عورتوں سے فَوقِیَّت رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ جتنے بھی انبیاء، خُلفاء اور ائمہ ہوئے سب مرد ہی تھے۔گھڑ سواری، تیر اندازی اور جہاد مرد کرتے ہیں۔امامتِ کُبریٰ یعنی حکومت و سلطنت اور امامتِ صغریٰ یعنی نماز کی امامت یونہی اذان، خطبہ، حدود و قصاص میں گواہی بالاتفاق مردوں کے ذمہ ہے۔نکاح، طلاق، رجوع اور بیک وقت ایک سے زائد شادیاں کرنے کا حق مرد کے پاس ہے اور نسب مردوں ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں، یہ سب قرائن مرد کے عورت سے افضل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مردوں کی عورتوں پر حکمرانی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد عورتوں پر مہر اور نان نفقہ کی صورت میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اس لئے ان پر حاکم ہیں۔ خیال رہے کہ مجموعی طور پر جنسِ مرد جنسِ عورت سے افضل ہے نہ کہ ہر مرد ہر عورت سے افضل۔ بعض عورتیں علم و دانائی میں کئی مردوں سے زیادہ ہیں جیسے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ہم جیسے لاکھوں مرد اُن کے نعلین کی خاک کے برابر بھی نہیں۔یونہی صحابیہ عورتیں غیر صحابی بڑے بڑے بزرگوں سے افضل ہیں۔([22])

[20] المازری، عبد الملک بن حبیب (۱۹۹۹ء)، المستدرک، دار الفکر، بیروت، ج ۲، ص ۲۹۱۔

[21] الرازی، فخر الدین محمد بن عمر (۲۰۰۲ء)، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، ایران، ج ۱۳، ص ۱۸۳۔

[22] ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی (۲۰۱۰ء)، فتح الباری، دار الکتب العلمیة، لاہور، ج ۱۳، ص ۵۶

تفسیر تبیان القرآن میں غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کے احکامات کو تاریخ وفقہ کے تناظر میں بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ مرد کو بیوی کے ساتھ معاملات میں کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ انہوں نے اسلامی قوانین کے پس منظر میں شوہر کی بیوی پر ظلم و زیادتی سے گریز اور اس کے حقوق کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ فقہی نکات کے حوالے سے ان کے ذکر کردہ احادیث اور فقہاء کے اقوال، عورت کی حکمرانی کے عدم جواز کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف، تفسیر صراط الجنان میں مفتی محمد قاسم عطاری نے قوامیت اور شوہر کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے مرد کی فضیلت کے اسباب اور اس کی تفصیلات پر زور دیا ہے۔ انہوں نے تاریخی مثالوں کے ساتھ آیات کی شان نزول کو پیش کیا ہے اور عورت کی اطاعت کے پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا ہے۔

دونوں تفاسیر میں عورت پر ظلم کی مخالفت، قرآن کی تعلیمات کے مطابق مرد کی قوامیت، اور حقوق و فرائض کی وضاحت پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ تاہم، دونوں میں اندازِ بیان اور تشریح کا طریقہ قدرے مختلف ہے۔ تبیان القرآن فقہی تفصیلات کے حوالے سے زیادہ گہرائی میں جاتی ہے، جب کہ صراط الجنان میں عمومی وضاحت پر زور دیا گیا ہے۔

خلاصۃ البحث:

"سورہ نساء اور سورہ نور میں بیان کردہ عورتوں کے حقوق: تفسیر تبیان القرآن اور تفسیر صراط الجنان کا تقابلی جائزہ" میں سورہ نساء اور سورہ نور میں بیان کردہ عورتوں کے حقوق کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور ان تفسیروں میں ان آیات کی تشریحات کا موازنہ کیا گیا ہے۔ سورہ نساء میں عورتوں کے حقوق پر خاص طور پر وراثت، نکاح کے حقوق، عدلیہ میں انصاف، اور زنا کی سزا پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں عورتوں کو وراثت میں حصہ دینے، نکاح میں عدل قائم رکھنے اور انصاف کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ نور میں پردہ، عفت، پاکدامنی اور نکاح کے اصولوں پر بات کی گئی ہے، جہاں خواتین کو اپنی عفت کی حفاظت کرنے اور معاشرتی قوانین کے تحت زندگی گزارنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

تفسیر تبیان القرآن میں سورہ نساء اور سورہ نور کی آیات کی تفسیر میں فقہی اور اصولی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔ یہاں وراثت، نکاح، عدت اور انصاف جیسے مسائل کی فقہی وضاحت دی گئی ہے۔ اس تفسیر میں عورتوں کے حقوق کو قانونی اور عملی پہلو سے سمجھایا گیا ہے، اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ضروری قوانین کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ اس کے برعکس، تفسیر صراط الجنان میں مولانا محمد تقی نے روحانی اور اخلاقی زاویہ سے عورتوں کے حقوق کی تفسیر کی ہے۔ یہاں زیادہ تر عفت، پاکدامنی اور پردہ جیسے اخلاقی اصولوں پر زور دیا گیا ہے، اور ان کو معاشرتی توازن کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔

موازنہ کرتے ہوئے، تفسیر تبیان القرآن میں فقہی نقطہ نظر زیادہ غالب ہے، جہاں عورتوں کے حقوق کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے، خاص طور پر وراثت اور مالی حقوق کی تفصیل دی گئی ہے۔ تفسیر صراط الجنان میں زیادہ اخلاقی اور روحانی پہلو پر زور دیا گیا ہے، جہاں عورتوں کی عفت، عزت اور کردار کو معاشرتی بہتری کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ دونوں تفسیریں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اہمیت رکھتی ہیں، لیکن ان کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ تفسیر تبیان القرآن میں قانونی احکام پر زور دیا گیا ہے، جبکہ تفسیر صراط الجنان میں عورتوں کے اخلاقی اور روحانی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دونوں تفسیریں اسلامی معاشرت میں عورتوں کے حقوق کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں اور ان کے کردار کو مثبت طور پر پیش کرتی ہیں۔ تفسیر تبیان القرآن ایک فقہی زاویہ سے حقوق کی وضاحت کرتی ہے، جب کہ تفسیر صراط الجنان ایک روحانی زاویہ سے ان کے کردار کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔ دونوں تفسیریں اپنے اپنے انداز میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی فلاح کے لئے اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کے کردار کو اسلامی معاشرت میں مثبت طور پر اجاگر کرتی ہیں۔